حالاتِ حاضرہ

اور

ہماری ذمہ داریاں

مولانا ابو اللیث ندوی
سابق امیر جماعت اسلامی ہند کا خطاب

محترم امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی، ندوی نے ۱۰؍جنوری ۸۴ء۱۹ کو مرکزِ جماعت میں منعقدہ جماعت اسلامی حلقۂ دہلی کے ماہانہ اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے ملک و ملّت کو درپیش مختلف مسائل پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی تھی۔ ذیل میں اس تقریر کا پورا متن بعض جزوی لفظی ترمیم و اصلاح کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔

مرتّب

مبارکباد

بعد حمد و صلوٰۃ۔

محترم دوستو! امارت کی ذمہ داریاں دوبارہ سنبھالنے کے بعد میں پہلی مرتبہ مقامی جماعت کے اس ماہانہ اجتماع میں شریک ہو رہا ہوں۔ ایک مدّت کی غیر حاضری کے بعد جب میں دہلی آیا تو فطری طور پر میرے دل میں یہ اشتیاق ہونا ہی چاہیے تھا کہ میں یہاں کے کارکنوں اور متوسلین سے ملاقات کروں۔ چنانچہ آج اس کا موقع فراہم ہونے پر مجھے قدرتاً بے انتہا مسرّت ہو رہی ہے۔ اسی کے ساتھ میری مسرت میں اس بات نے اور اضافہ کر دیا ہے کہ اس اجتماع میں بہت سے چہرے میرے لیے نئے ہیں اور بحمد اللہ ایسے چہروں کی تعداد خاصی بڑی ہے۔ اس سے مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس مدّت میں جماعت کی دعوت و تبلیغ کا کام کافی وسعت کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور یہ کام بڑی حد تک نتیجہ خیز اور بار آور بھی ثابت

ہوا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اتنی بڑی تعداد میں قدیم کارکنوں کے ساتھ نئے رفقاء بھی شریک اجتماع ہیں۔ میں اس پر جہاں جماعت کے مقامی ذمہ داروں اور کارکنوں کو مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں وہیں ان سب حضرات کو بھی مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں جو اس مدت میں جماعت سے متعارف ہوئے ہیں اور انھوں نے جماعتی سرگرمیوں اور اجتماعات وغیرہ میں دل چسپی لینی شروع کر دی ہے۔

ہمارا مقصود ——— رضائے الٰہی

بلاشبہہ جو لوگ دین کا کام انجام دے رہے ہیں اس سے ان کی غرض صرف رضائے الٰہی ہی ہونا چاہیئے اور میں حسنِ ظن رکھتا ہوں کہ ہمارے کارکنوں نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دین کا کام انجام دیا ہوگا اور وہ اپنے کاموں پر اللہ کی رضا کے سوا کسی بھی انسان کی داد و تحسین کے امیدوار نہ ہوں گے، اور اسی طرح میں یہ خیال کرتا ہوں کہ جن حضرات نے دین کی دعوت پر لبیک کہا ہے ان کے بھی کسی گوشۂ ذہن میں یہ بات نہ ہوگی کہ انھوں نے کسی جماعت یا فرد پر کوئی احسان کیا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ ان کا ایک دینی فریضہ تھا جسے سمجھ کر انھوں نے اسے اختیار کرنے اور اس کے مطابق آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے یہ حضرات بھی اس بات کے متوقع نہ ہوں گے کہ ان کے کاموں کی داد و تحسین کی جائے۔ لیکن اسی کے ساتھ میرا احساس یہ بھی ہے کہ کسی اچھے کام کو دیکھ کر دوسروں کا، جن کی نگاہ میں اس کی قدر ہو، خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے، اس لیے اگر وہ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کریں تو یہ کچھ بے جا بات نہ ہوگی اور میں اس وقت اپنے اسی فطری جذبے کے تحت اپنے کارکنوں کو اور ان حضرات کو جنھوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا، مبارکباد پیش کر رہا ہوں۔ میری خوشی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ دین کی خدمت انجام دینا تو بڑی بات ہے، ہماری بدقسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت کا حال یہ ہوگیا ہے کہ دینی باتیں سننے کے بھی وہ کچھ زیادہ روادار نہیں ہیں۔ بالخصوص ایسی باتوں کے سننے کے جن سے بہرحال کچھ مال کی، کچھ وقت کی اور کچھ دیگر دنیوی مفادات کی قربانی کا سوال وابستہ ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر غالباً میری اس مبارکباد کو آپ کچھ زیادہ بے جا نہیں سمجھیں گے ۔

حالاتِ حاضرہ اور ہماری ذمہ داریاں

ہماری مقامی جماعت کے امیر جناب کوثر یزدانی صاحب نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ ملک کے موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں آپ حضرات کے سامنے کچھ باتیں رکھوں اس موقع پر خود میرا دل بھی یہ چاہ رہا تھا کہ میں آپ حضرات سے کچھ باتیں عرض کروں، خاص طور سے ان مسائل کے سلسلہ میں جن سے ہم اس وقت دوچار ہیں۔

مجھے سب سے پہلے یہ بات عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات نے اب تک یہاں جو کام انجام دیا ہے بلاشبہ، جیسا کہ میں نے عرض کیا، میں اپنے طور پر اسے قابل مبارکباد سمجھتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جو جماعت کے وسائل و ذرائع اور افراد کی قلت کو اپنے پیش نظر رکھے گا ـــــ ساتھ ہی ان مختلف اور گوناگوں رکاوٹوں اور مشکلات کو بھی جو ہمارے کارکنوں کو درپیش ہیں ـــــ وہ میری ہی طرح آپ کے کام کو مستحق مبارکباد ہی سمجھے گا لیکن اس سلسلہ میں مجھے آپ سے عرض کرنا ہے کہ آپ حضرات اپنے اپنے کاموں پر کسی بھی داد و تحسین سے کسی بے جا حسنِ ظن کا شکار نہ ہوں اور نہ ان پر اپنے اندر کسی طرح کا کوئی اطمینان محسوس کریں۔ آپ واقف ہیں کہ دہلی کی آبادی کم و بیش ساٹھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ اس تعداد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر آپ اپنے کام کا جائزہ لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اب تک یہاں جو کام انجام پاسکا ہے وہ بمنزلہ صفر تو یقیناً قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن بہرحال وہ کوئی قابل اطمینان کام بھی نظر نہیں آئے گا۔

ہماری دعوت ـــــــــــ اسلام کی دعوت

آپ سب حضرات اس سے بخوبی واقف ہوں گے کہ ہماری دعوت اسلام کی دعوت ہے جس کے مخاطب جس طرح مسلمان ہیں اسی طرح غیر مسلم بھی ہیں ، اور امتِ مسلمہ پر شہادتِ حق کی جو

ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس کے ناطے سے ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم اس پوری آبادی تک اپنی باتیں پہنچائیں لیکن اس آبادی میں ایسے تو بہت ہی تھوڑے لوگ ہوں گے جن تک آپ اپنی دعوت کو پہنچانے میں کامیاب ہو سکے ہوں گے۔ کتنے لوگ ہوں گے کہ جن تک سرے سے آپ کی دعوت پہنچی ہی نہ ہوگی اور وہ سرے سے جماعت کے نام سے بھی واقف نہ ہوں گے چہ جائیکہ وہ اس بات سے واقف ہوں کہ جماعت کیا کہتی ہے، اس کے کیا مقاصد ہیں اور اس کا طریق کار کیا ہے۔ پھر میرا اندازہ یہ ہے کہ جن لوگوں تک بھی آپ اپنی دعوت کو پہنچانے میں کامیاب ہو سکے ہوں گے ان میں بیشتر افراد تو شاید ایسے ہی ہوں گے جن کو آپ کی دعوت کے بارے میں کچھ سرسری معلومات حاصل ہو گئی ہوں گی، لیکن یہ بات ہمارے اطمینان کے لیے کافی نہیں ہونی چاہیئے، دراں حالیکہ آپ کو معلوم ہے کہ ناقص معلومات بسا اوقات بڑے فتنوں کا ذریعہ بھی بن جایا کرتی ہیں۔ اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کا وقت پر ازالہ نہ ہو تو اس سے آپ کے لیے طرح طرح کی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس پہلو سے اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنے کام کے سلسلے میں بڑا خلا محسوس ہوگا۔

میں یہ باتیں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضرات اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ سے زیادہ محسوس کریں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ایک آدمی اپنی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے لیکن خود آپ میں سے ہر شخص اگر اپنا جائزہ لے گا تو وہ غالباً اپنے اوقات میں اس کی گنجائش نکال سکے گا کہ اب تک وہ جتنا وقت دعوت کے کام میں صرف کرتا رہا ہے اس سے زیادہ صرف کر سکے اور اس طریقہ سے اپنی موجودہ افرادی قوت کے ساتھ بھی آپ آئندہ اس عزم و ارادہ اور لگن کے ساتھ چاہیں گے تو اپنے کام کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کر سکیں گے اور آپ کی تھوڑی سی کوششوں سے آپ کو نئے نئے کارکن میسر آتے رہیں گے اور اس طرح کام کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتا جائے گا۔ آپ حضرات سے میری یہ گذارش ہے کہ آپ اپنے موجودہ کام پر کسی درجہ میں بھی، ایک لمحہ کے لیے بھی یہ اطمینان محسوس نہ کریں کہ آپ نے اپنا وہ فریضہ جو آپ پر عائد

ہوتا ہے واقعی ادا کر دیا ہے، بلکہ اس سلسلہ میں مزید توجہ اور اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ فارغ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے فرض کی اہمیت کو محسوس کریں، کام کی ضرورت کو محسوس کریں، دہلی کی آبادی کو سامنے رکھیں اور پھر اس سلسلہ میں جو کوششیں بھی آپ سے ممکن ہیں ان میں کسی طرح کی کسی کوتاہی کو دخل نہ دیں۔

موجودہ حالات کے سلسلہ میں پہلی بات جو مجھے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دہلی جہاں ایک کثیر آبادی کا شہر ہے وہیں اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ صرف ملک کی راجدھانی اور حکومت ہند کا مرکز ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تمام اہم تحریکات اور جماعتوں نے یہیں اپنے مراکز بھی قائم کر رکھے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر جماعت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی وہ اپنے چھوٹے یا بڑے گوناگوں مقاصد کے لیے کام کر رہی ہیں اور سب اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اپنی دعوت دوسروں تک پہنچائیں، ان کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ اس صورتحال کے پیش نظر غور کریں گے تو آپ خود یہ محسوس کریں گے کہ آپ حضرات جو جماعت سے وابستہ ہیں اور دہلی میں قیام پذیر ہیں اس کی بنا پر آپ کی ذمہ داریاں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں بہت زیادہ وسیع اور بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کی دعوت کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ آپ اس کی توقع نہیں کر سکتے کہ یہاں جو مختلف جماعتیں اور تحریکات قائم اور اپنی کوششوں میں مصروف ہیں وہ سب آپ کی دعوت کو خوش آمدید کہیں گی یا بہت آسانی سے اسے قبول کر لیں گی، ان کی طرف سے مخالفت کا ہونا ایک قدرتی سی بات ہے۔ اس لیے اسے ذہن میں رکھتے ہوئے آپ کو اپنا فرض انجام دینا ہے اور اس کی بنا پر آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ آپ اپنی باتیں زیادہ مدلل اور دلنشیں طریقہ سے دوسروں تک پہنچائیں اور اس بات سے مطلق ہراساں نہ ہوں اور نہ آپ کے اندر کسی طرح کا خوف یا اضمحلال پیدا ہو کہ آپ کو شدید ترین مخالفتوں سے سابقہ پیش آ رہا ہے۔ آپ کا تکیہ ہر حال میں اللہ پر ہونا چاہیئے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ آپ دین الٰہی کے داعی و علمبردار ہیں اور

یہ وہ دین ہے جو انسانی فطرت سے گہرا لگاؤ رکھتا ہے۔ اس کی طلب ہر انسان، ہر متنفّس کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف موانع اور حجابات کی وجہ سے یہ طلب کچھ مدھم پڑ جائے لیکن تھوڑی سی کوششوں سے اس فطری جذبہ میں جلا پیدا کیا جا سکتا ہے اور بڑی بڑی مخالفتیں موافقتوں، ہمدردیوں اور اعانتوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں، لیکن بہرحال یہ ہے ایک بدقسمتی کی بات کہ آج جن جماعتوں اور تحریکات کے مراکز یہاں پر قائم ہیں ان کا رویہ بالعموم جماعت کے سلسلے میں مخالفانہ اور معاندانہ ہی ہے اور میرے نزدیک یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے — اس لیے کہ اگر جماعت اسلامی کی دعوت کوئی سرسری اور سطحی دعوت ہوتی — صرف نماز روزہ یا کچھ دینی احکام کی دعوت و تبلیغ ہی تک اپنی سرگرمیوں کو محدود رکھتی — یا چند چھوٹے اور معمولی مقاصد اس کے پیش نظر ہوتے تو شاید اس کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بہت کافی ہو سکتی تھی لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہم دین کے اس تصور کو اپنا کر کام کر رہے ہیں جو جامع اور وسیع تصور ہے اور جو زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے۔ ایسی حالت میں یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ تحریکات آسانی کے ساتھ اس کو قبول کر سکیں گی اور ان کا رویہ آپ کے ساتھ ہمدردانہ اور موافقانہ ہو سکتا ہے جن کے نظریات بنیادی طور پر اس سے ٹکراتے ہوں — چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جماعت کو اس وقت مختلف طرح کی مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے جن کا ظہور مختلف شکلوں میں آئے دن ہوتا رہتا ہے۔

یہ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ مرکز اور ریاستوں کا رویہ جماعت کے ساتھ بالعموم مخالفانہ ہی ہے۔ ہم اپنے طور سے ذمہ داران سے مل کر یا انھیں اپنا لٹریچر بھیج کر ان تک اپنی باتیں پہنچانے اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہماری ان کوششوں کا اب تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا ہے۔ ان کی طرف سے آئے دن جماعت کے سلسلے میں طرح طرح کے الزامات اور اتہامات عائد کیے جاتے رہتے ہیں۔

فرقہ پرستی کا بے بنیاد الزام — سب سے بڑا الزام جو جماعت اسلامی ہند پر عائد کیا

جاتا ہے وہ فرقہ پرستی کا الزام ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی فرقہ پرستی کی داعی ہے یا اس کی دعوت سے ملک میں فرقہ پرستی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ الزام اتنا بے بنیاد ہے کہ حیرانی ہوتی ہے کہ پڑھے لکھے ذمہ دار لوگ اس طرح کی بات بغیر سوچے سمجھے کیسے اپنی زبان پر لے آتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ ہم دین اسلام کے داعی ہیں اور اسلام کے بارے میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ یہ رب العٰلمین کا بھیجا ہوا دین ہے ــــ اور یہ دین نازل ہوا ہے اس مبارک ہستی پر جو خود قرآن مجید کے لفظوں میں رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجی گئی تھی۔ ایک ایسا دین جس کو تمام بنی نوع انسان کے خالق اور مالک نے بھیجا ہو اور جس کی تبلیغ رحمۃ للعالمین نے تمام دنیا کے سامنے کی ہو، اس دین کے بارے میں کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوت کسی ایک فرقہ کے مفاد یا کسی دوسرے فرقہ کی بدخواہی یا ضرر رسانی پر مبنی ہو سکتی ہے ؟

پھر اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اس کی پوری تاریخ لوگوں کے سامنے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اپنی دعوت کے ذریعے فرقہ پرستی کو فروغ دینے والا ایک لفظ بھی کہا ہو، یا کبھی کوئی ایک کام بھی ایسا کیا ہو جس سے فرقہ پرستی کا اظہار ہوتا ہو بلکہ اس کے برعکس ہم نے ہمیشہ اپنے کو ان مسائل سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے جس کو فرقہ پرستانہ کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارے بارے میں جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم بہرحال مسلمان ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہم مسلم قوم سے اپنا تعلق منقطع نہیں کر سکتے، بلکہ ان کے ان مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں جو بحیثیت مسلمان ان کی بقا اور ان کے اصل مقصدِ زندگی یعنی شہادت حق کے لیے ان کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہیں ــــ اور اس پر ہمیں ہرگز کوئی شرمندگی نہیں ہے بلکہ ان میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جماعت نے اپنی سرگرمیوں کو مسلمانوں کے اس طرح کے مفادات تک ہی محدود نہیں رکھا ہے۔ کتنے مواقع آئے دن ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جن میں جماعت کھل کر حصہ لیتی رہتی ہے اور ان کا تعلق خاص مسلمانوں سے

ہی نہیں بلکہ تمام باشندگانِ ملک سے ہوتا ہے۔ ملک پر آفاتِ ارضی وسماوی کی جب بھی کوئی اُفتاد قحط
وسیلاب وغیرہ کی شکل میں پیش آتی ہے، جماعت اپنے وسائل و ذرائع کے مطابق آفت زدہ لوگوں
کی امداد کے لیے قدم اٹھاتی ہے اور بلا امتیاز مذہب وملت اور فرقہ وگروہ اپنا فرض ادا کرتی ہے
فسادات کے موقعوں پر بھی جن میں بالعموم مسلمان ہی زیادہ شکار ہوتے ہیں، لیکن گاہ بگاہ ان کی زد
میں کچھ غیر مسلم بھی آجاتے ہیں۔ مگر جماعت اسلامی نے ایسے مواقع پر ریلیف کے جو کام انجام دیئے ہیں
ان میں کبھی بھی مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر تفریق روا نہیں رکھی ہے۔ اور ہر مظلوم کے ساتھ ہمدردی اور ہر ضرورتمند
کی اس نے مدد کی ہے۔ بہر حال یہ نوعیت ہے ہماری دعوت کی اور یہ ہے ہمارا طریقِ کار۔ کیا اس کے
بعد بھی فرقہ پرستی کے الزام کی کوئی بنیاد ہو سکتی ہے ؟

فرقہ پرستی کی تعریف

میں اس موقع پر ان باتوں سے قطع نظر بھی ایک بات عرض کرنی چاہتا ہوں اور وہ
یہ کہ آج تک فرقہ پرستی کی کوئی تعریف ہی متعین نہیں کی جا سکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ملک
میں قومی یکجہتی کونسل قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک میں ایک قسم کی وحدت کی
فضا قائم کی جائے اور ملک میں جو انتشار کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے، اس کا اور خاص طور سے
فرقہ پرستی کا سدباب کیا جائے، اس کے لیے کتنا اہتمام کیا گیا، کتنے لوگوں کے بیانات اور شہادتیں
لی گئی تھیں۔ مجھے خود اس کا موقع ملا تھا کہ اس کونسل کے سامنے اپنے موقف کا اظہار کروں۔
لیکن آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ کونسل بھی فرقہ پرستی کی کوئی تعریف متعین نہیں کر سکی اور اس کا اس کی طرف
سے برملا اظہار بھی ہوا۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار پارلیمنٹ میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ
فرقہ پرستی کا مفہوم کیا ہے تو خود حکومت نے بھی اس کی تعریف کرنے سے اپنی عاجزی کا اظہار کیا
تھا۔ بہر حال میرے نزدیک فرقہ پرستی کے مفہوم میں ہرگز یہ بات داخل نہیں ہو سکتی کہ کوئی شخص
اپنے فرقے کی فلاح وبہبود کے لیے کوئی کوشش عمل میں لائے۔ یہ تو ایک طرح سے ایک فطری بات

ہے ۔ جس طرح آدمی جس ملک سے تعلق رکھتا ہے اس سے اس کا لگاؤ اور اس سے محبت
ایک فطری بات ہے اسی طرح وہ جس ملت اور جس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے ، اس سے بھی اس کا لگاؤ
اور اس سے اس کو محبت ہو گی اور یہ اس کا ایک گونہ اخلاقی فرض بھی ہو گا کہ وہ اس کی فلاح و بہبود
اور اس کے مفادات کو عزیز رکھے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

من لم یہتم بأمر المسلمین فلیس منھم

(جو شخص مسلمانوں کے معاملات سے دل چسپی نہ رکھے وہ ان میں سے نہیں ہے)

جس کی رو سے خود مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات میں دل چسپی
لیں ۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہو سکتی ، بلکہ بہت بڑی حد تک جیسا کہ میں نے کہا ، یہ بالکل
فطری بات ہے ، اور انسانیت و اخلاق کا بھی تقاضا ہے (اور یہ ایک معلوم بات ہے کہ خود یہاں
کے دستور میں بھی یہاں کی اقلیتوں کے لیے بہت سے حقوق کا اعتراف اور اس کے تحفظ کی یقین
دہانی کی گئی ہے) البتہ یہ جذبہ اس وقت غلط ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ دوسروں کو نقصان
پہنچانے کا بھی کوئی جذبہ اس میں شامل ہو اور بلا شبہ یہ ایک قابل اعتراض بات بھی ہو سکتی ہے
لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ جماعت اسلامی مسلمانوں کے جن مفادات کو اہمیت دیتی ہے اور جن
کے ساتھ وہ دل چسپی کا اظہار کرتی ہے ، ان میں سے کون سا مسئلہ ہے جن سے دوسری قوموں
یا فرقوں کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے ؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہم پر فرقہ پرستی کا الزام
لگانے میں وہی لوگ زیادہ پیش پیش ہیں جو خود اس کے غلط مفہوم کے عین مطابق اس میں بری
طرح مبتلا ہیں ۔ اس زمانے میں ہمارے ملک کے کتنے اہل سیاست اور نمایاں شخصیتیں ہیں جن
پر فرقہ پرستی کے اس مفہوم کے تحت فرقہ پرستی کا الزام عائد نہ کیا جا سکتا ہو ؟ ملک میں ذات
اور رنگ اور فرقہ کے کتنے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے اٹھانے والے ہمارے
یہی اربابِ سیاست اور نمایاں شخصیتیں ہیں ۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کو اس سے بالا تر
سمجھتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہے کہ جب بھی الیکشن کا موقع آتا ہے تو کوشش یہی کی جاتی ہے کہ

امیدوار کی ذات ہی کی بنیاد پر نامزدگی ہو اور ذات ہی کی بنیاد پر حمایت اور مخالفت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ایک عجیب بات نہیں ہے کہ جو لوگ خود اس قسم کی فرقہ پرستی میں لت پت ہیں وہ جماعت اسلامی جیسی جماعت پر جس کی دعوت، خدا پرستی اور انسانیت کی دعوت ہے اور جس میں انسانوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی ہے، اس پر فرقہ پرستی کا الزام لگایا جائے ؟ اس کی کچھ تو بنیاد ہونی چاہئے ؟

جمشید پور فساد کی رپورٹ

جماعت اسلامی ہند پر فرقہ پرستی کے الزام کے سلسلے میں ایک اور عجیب اور حیرت ناک بات کا تذکرہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بہار میں جمشید پور وغیرہ میں جو وسیع پیمانے پر فساد ہوا اس کے اسباب وجوہ وغیرہ کی تحقیقات کے لیے حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس کمیشن نے بہت سی باتیں واقعی انصاف اور حق پسندی کے تحت اپنی رپورٹ میں درج کی ہیں، اور بہت سی باتیں جو اب تک ڈھکی چھپی تھیں اور سیاسی مصلحت کے تحت جن پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی وہ کمیشن کی اس رپورٹ کے ذریعہ پہلی بار منظر عام پر آئی ہیں، اور حکومت کی مصلحت کا بھی تقاضا ہوا ہے کہ دیگر کمیشنوں کی رپورٹوں کی طرح اس کو سرد خانے میں نہ ڈالے بلکہ اس کو شائع بھی کر دے۔ اس کمیشن کی رپورٹ کے جس حصّہ میں فساد کی وجوہات و اسباب کا تجزیہ کیا گیا ہے اس میں سرے سے کہیں بھی جماعت اسلامی کا نام نہیں ہے، لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس نے اپنی سفارشات میں جہاں آر۔ ایس ایس پر کچھ پابندیاں عاید کرنے کی سفارش کی ہے جس کا اس کے نزدیک اس فساد میں گہرا ہاتھ تھا، وہیں اس نے اس کے ساتھ جماعت کا بھی جوڑ لگا دیا ہے! اور آپ کو یہ معلوم ہی ہوگا کہ حکومتِ بہار نے کمیشن کی انھیں سفارشات کی بنیاد پر اپنے جن اقدامات کا اعلان کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پبلک مقامات پر آر۔ ایس۔ ایس کے ساتھ جماعت اسلامی کے جلسوں وغیرہ

پر بھی پابندی عائد کردی ہے - کیا انصاف اسی کا متقاضی ہے کہ فسادات میں تو جماعت کا کوئی ہاتھ نہ ہو ، اور کسی درجہ میں بھی اس میں اس کے ملوث ہونے کا کوئی الزام خود کمیشن کی رپورٹ میں بھی موجود نہ ہو لیکن اس کے باوجود جب اس صورتحال کے تدارک کا سوال سامنے آئے تو جماعت اسلامی کا نام بھی خواہ مخواہ دوسروں کے ساتھ شامل کرلیا جائے؟ یہ جو کچھ حکومت بہار کررہی ہے وہ شاید مرکزی ہدایات کے دائرہ میں نہ آتا ہوگا، کیونکہ وزارت داخلہ کے وزیر مملکت جناب یوگیندر مکوانا صاحب نے ایک سوال کے جواب میں پارلیمنٹ میں صرف یہ کہا تھا کہ مرکزی سرکار نے ریاستی حکومتوں کو فرقہ وارانہ تناؤ کم نے اور فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لیے پارکوں، اسکولوں کی عمارتوں وغیرہ جیسے پبلک مقامات میں عسکری تنظیموں کے ذریعہ شاکھاؤں اور ڈرل وغیرہ پر پابندی لگانے پر غور کرنے کا مشورہ دیا ہے ــــ اور سب جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کوئی عسکری تنظیم نہیں ہے اور نہ وہ کہیں شاکھا لگاتی یا ڈرل کا کوئی اہتمام کرتی ہے - لیکن بہرحال یہ پابندی فرقہ پرستی کے اس بے بنیاد الزام کے تحت جماعت اسلامی پر لگائی جارہی ہے ــ اور جہاں آر، ایس، ایس کی شاکھاؤں پر پابندی لگائی گئی ہے، وہیں اس کی لپیٹ میں جماعت اسلامی کو بھی لے لیا گیا ہے-

مجھے اس موقع پر استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا بیان کردہ ایک لطیفہ یاد آرہا ہے، جی چاہتا ہے کہ تفنّنِ طبع کے طور پر آپ کو بھی سنادوں ۔ قُم، ایران کا ایک مشہور شہر ہے ۔ وہاں کے قاضی صاحب کو امیر کا یہ حکم نامہ ملا کہ ـــــ یا قاضی قم لقد شبت فقم ــــ یعنی قم کے قاضی صاحب! آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اس لیے آپ برخاست کیے جاتے ہیں ۔ (شہر قم کے وزن پر دوسرے 'قم' کے معنی' جو کہ لفظ قیام کا صیغۂ امر ہے ، اٹھ جانے یعنی معزول ہوجانے کے ہیں -) ۔ پروانہ کے پہنچے پر قاضی صاحب نے فرمایا کہ 'قتلنی حب الامیر للقافیہ' یعنی میں تو امیر کے قافیہ کے شوق میں مارا گیا۔

درحقیقت ہمارا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے کہ ہم بھی اپنے حکمرانوں کے قافیہ کی زد میں۔

آتے رہتے ہیں اور جب بھی کہیں آر، ایس ایس کا نام آتا ہے تو یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ جماعت اسلامی کا نام بھی جوڑ دیا جائے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حکومت بہار جو کچھ کر رہی ہے وہ محض قافیہ آرائی ہی نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد بھی کارفرما ہے۔

جمشید پور کے فساد کے سلسلے میں آر، ایس، ایس کے ساتھ جماعت اسلامی کا جو نام لیا گیا ہے اس کا اصل منشا یہ ہے کہ اکثریت کی ایک جماعت یعنی آر، ایس، ایس پر جو الزام آرہا ہے اس کو ہلکا کیا جائے اور اس کے ساتھ جماعت اسلامی کو بھی جوڑ دیا جائے تاکہ یہ دکھایا جا سکے کہ فساد کی ذمہ داری تنہا اکثریت پر ہی عائد نہیں ہوتی" بلکہ کسی نہ کسی نہج سے اس میں مسلمان بھی شریک ہیں۔

برسر اقتدار طبقہ کی اس مخالفت کے باوجود ہمیں ایک اور شدید مخالفت کا سامنا ان لوگوں کی طرف سے بھی کرنا پڑ رہا ہے جو کمیونسٹ ہیں یا کمیونسٹوں کے زیر اثر ہیں۔ یہ واضح بات ہے کہ ہماری دعوت کسی طرح بھی کمیونزم سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتی، تاہم میں کسی بھی پارٹی کو خواہ اس سے ہمارا کتنا ہی شدید نظریاتی اختلاف کیوں نہ ہو اپنا حریف نہیں گردانتا کیونکہ کسی فرد یا گروہ یا پارٹی کے بجائے ہمارا اصل اختلاف ان کے اصول و نظریات سے ہے اور جہاں تک اسلام اور کمیونزم کا تعلق ہے میرے نزدیک ان میں واقعی اگر کوئی نسبت ہوسکتی ہے تو یہی کہ یہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں، اس لیے جو لوگ کمیونزم کو سمجھ کر ایمان لے آتے ہیں ان کا کوئی تعلق کسی مذہب سے ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس کی مخالفت ان کے ایمان کا ایک جزو ہوگی۔ ایسی حالت میں ہم اپنے بارے میں ان کی طرف سے جس رویہ کی توقع کرسکتے ہیں وہ ان کی مخالفت ہی کا رویہ ہے جس کا مختلف شکلوں میں آئے دن اظہار ہوتا رہتا ہے جماعت اسلامی پر فرقہ پرستی کا الزام لگانے میں یہ لوگ بھی دوسروں سے کچھ پیچھے نہیں ہیں، لیکن ان کی اپنی منطق دوسروں سے کچھ علیحدہ بھی ہے۔ مثلاً بنگال کمیونسٹ پارٹی کے صدر جناب پرمود داس گپتا کے نزدیک جماعت اسلامی اس لیے فرقہ پرست ہے کہ وہ خدا کو مانتی ہے!

سیکولرزم کا طعنہ

بہت سے ایسے مسلمان جو کمیونزم کے زیر اثر ہیں وہ بھی ہمیں مطعون کر رہے ہیں کہ ہم سیکولرزم کو نہیں مانتے ۔ اب ان کو کون بتائے کہ سیکولرزم کا کوئی ایک ہی متعین مفہوم نہیں ہے بلکہ اس کے مختلف مفہوم دنیا میں رائج ہیں جس میں ایک مفہوم وہ بھی ہے جس سے مذہب کی نفی کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانی فکر و عمل کو تمام تر عقل کے تابع بنانے کا علمبردار ہے ــــ اور اس کے اس مفہوم میں ہم کیا، کسی بھی مذہب کا ماننے والا اسے قابل قبول نہیں قرار دے سکتا۔ لیکن اس کا ایک مفہوم وہ بھی ہے جو ہندوستان کے واضعینِ دستور کے ذہنوں میں تھا، اور جس کی تشریح و توضیح ملک کے ذمہ داروں کی طرف سے بار بار کی جا چکی ہے کہ ہمارے ملک میں سیکولرزم کا مطلب یہ ہے کہ حکومت تمام مذاہب کو یکساں نظر سے دیکھے گی اور مذہب کی بنیاد پر کسی بھی شخص سے کوئی امتیاز یا جانبداری نہیں برتی جائے گی ـــ اور ہم بار بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ سیکولرزم کے اس مفہوم سے ہم اس کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کے لیے تو یہ بہت سے پہلوؤں سے موزوں و مفید ہے ۔

ایک اور کذب بیانی

اسی طرح کا ایک بے سر و پا الزام زیادہ تر خود اسی حلقہ کی طرف سے ہم پر یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ العیاذ باللہ ہم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین و تنقیص کرتے ہیں، حالانکہ یہ کذب محض ہے جس کی وضاحت بھی بار بار کی جا چکی ہے لیکن پھر بھی عوام کو ہم سے برگشتہ کرنے کے لیے ہمارے مخالفین اور بہت سے سادہ لوح لوگ اسے برابر دہراتے ہی رہتے ہیں ۔ بہرحال اس وقت جماعت کو جن مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کے اندازہ کے لیے یہ باتیں بہت کافی ہیں ۔ ان کے پیش نظر اب میں کچھ باتیں اس بارے

میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کس طرح ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے ۔ یہ باتیں کچھ نئی نہیں ہوں گی آپ ان سے پہلے ہی سے بہت کچھ واقف ہوں گے لیکن اچھا ہے ان کی یاد تازہ ہو جائے ۔

مخالفتوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے ؟

سب سے پہلے تو آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ جو دعوت لے کر اٹھے ہیں وہ کوئی ایسی دعوت نہیں ہے جسے لوگ آسانی کے ساتھ اور ٹھنڈے پیٹوں قبول اور گوارا کرلیں گے ۔ شروع شروع میں بہت سے لوگوں کا اس سے جز بز ہونا اور بہت سے لوگوں کا اس کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہونا ایک بالکل قدرتی سی بات ہے ۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہ صورت پیش نہ آئے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ شاید ہمارے دعوت پیش کرنے ہی میں کوئی نقص کا پہلو ہے جس کی بنا پر کوئی ہلچل پیدا نہیں ہو رہی ہے ۔ اس طرح کے حالات کا پیش آنا تو اس دعوت کا ایک قدرتی مرحلہ ہے ۔ چنانچہ اسی بنا پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جہاں حق کے اظہار کی تلقین کی گئی ہے وہیں اس کے ساتھ اور اس کے معًا بعد صبر و استقامت سے کام لینے کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ سورہ عصر ایک مختصر سی سورہ ہے جس میں ایمان و عمل صالح اور تواصی بالحق کو انسان کی کامیابی و کامرانی کا حقیقی ذریعہ قرار دیا گیا ہے لیکن تواصوا بالحق کے ساتھ تواصوا بالصبر کا بھی جوڑ لگا دیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تواصی بالحق کے ساتھ ایسے حالات کا پیش آنا ناگزیر ہے جن میں صبر کے بغیر اس کی انجام دہی مشکل ہے ۔

ایک جگہ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۝

اے میرے بچے ! نماز قائم کرو ، معروف کا حکم دو ، منکر سے روکو ، اور جو کچھ تمھیں پیش آئے اس پر صبر کرو ۔

اس آیت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا یہ خاصہ

بھی ہے کہ سخت اور پریشان کن حالات سے سابقہ پیش آئے اور یہ کام صبر کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا
اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین سے پہلے اقامت صلوٰۃ کے ذکر سے یہ اشارہ نکلتا ہے
کہ اللہ سے تعلق جو نماز کے ذریعہ قائم ہوتا ہے وہ اس فرض کی ادائیگی کا محرک و متقاضی بھی ہے
اور اسے کماحقہ انجام دینے کی ایک پیشگی شرط بھی ہے۔ اس لیے ان ہدایات کو سامنے رکھتے
ہوئے ہمیں ان مخالفتوں سے بددل و ہراساں نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے اپنی دعوت کا لازمی
مرحلہ سمجھتے ہوئے صبر و استقامت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

ان مخالفتوں کے سلسلہ میں دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ کو اپنی دعوت
و تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو لازماً اپنے سامنے رکھنا چاہئے کہ :۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دعوت کا صحیح طریقہ کیا
ہے اور اسی سے یہ بھی روشنی ملتی ہے کہ اس کام میں ہمیں ایک ہی طرح کے مخاطبین سے واسطہ
پیش نہیں آئے گا بلکہ وہ اپنے ذہن و مزاج وغیرہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف
ہو سکتے ہیں اور ان کی رعایت سے ہمیں ان تک اپنی باتیں پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے
بہت سے لوگوں کے لیے اصولی اور بنیادی باتیں اطمینان بخش ہو سکتی ہیں لیکن کچھ لوگوں کے
لیے موعظۂ حسنہ کا طریقہ زیادہ موزوں ہو سکتا ہے، اور ان میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں
جن کے لیے نہ حکیمانہ باتیں سازگار ہوتی ہیں اور نہ موعظۂ حسنہ، وہ کچھ جھگڑالو قسم کے لوگ
ہوتے ہیں جن سے بحث و مباحثہ کی بھی ضرورت پیش آ سکتی ہے ـــ لیکن یہ ہر حال میں
اچھے اور پسندیدہ طریقہ کے مطابق ہی ہونا چاہئے۔ نیز جھگڑے اور مناقشے سے جا سے تو
ہر حال میں گریز ہی کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں آپ کو رسول اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہمیشہ اپنے سامنے رکھنی چاہئے
آپ نے فرمایا ہے :

انا زعیم ببیت فی ربض الجنة لمن ترك المراء وان كان محقا وببیت فی وسط الجنة لمن ترك الكذب وان كان مازحا وببیت فی اعلی الجنة لمن حسن خلقه

میں اس شخص کے لیے، جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا ترک کر دے جنت کے حاشیہ پر ایک گھر کا ذمہ لیتا ہوں اور اس شخص کے لیے جو مذاق میں بھی جھوٹ سے اجتناب کرے وسط جنت میں ایک گھر کا ذمہ لیتا ہوں اور اس شخص کے لیے جس کا اخلاق پسندیدہ ہو جنت کے اعلیٰ درجہ میں ایک گھر کا ذمہ لیتا ہوں۔

آپؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ اگر تمھارا مخاطب تمھاری بات نہ مان رہا ہو تو اس صورت میں تم اپنے کو برسرِ حق سمجھتے ہوئے بھی جھگڑے سے دامن بچالو۔ اس صورت میں بھی تم کو جنت میں ایک مقام کا استحقاق ہو جائے گا۔ پھر اس سے بڑا مقام اس شخص کا ہوتا ہے جو جھوٹ بولنے سے گریز کرے، اگرچہ وہ کوئی مذاق ہی کی بات کیوں نہ کر رہا ہو۔ مذاق میں اکثر جھوٹ بولنے کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مذاق میں بھی جھوٹ سے دامن بچاتا ہے تو وہ جنت میں نسبتاً اونچے مقام کا مستحق بن سکتا ہے۔ اور وہ شخص تو جنت میں بہت ہی اونچے مقام کا اہل ہو گا جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور یہ بات تو ہر حال میں ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ دراصل ہماری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ حق بات لوگوں تک پہنچا دیں، نہ یہ کہ اپنی بات کو لوگوں کے دلوں میں اتار دیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری نہیں ڈالی تھی۔ اسی لیے قرآن مجید میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغ آپ صرف اپنی بات پہنچانے کے مکلف ہیں۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ لازماً اپنی باتیں اُن کے دلوں میں اتار دیں۔ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بسا اوقات یہ کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی کہ آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ لوگوں کی گمراہی کی جوابدہی کہیں مجھے نہ کرنی پڑے۔ اسی لیے اللہ نے یہ فرما کر کہ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی کہ قرآن مجید ہم نے اس لیے آپؐ پر نازل نہیں کیا ہے کہ آپؐ

اپنی جان ہلکان کریں اور اپنے کو مصیبت میں ڈالیں، یہ ذمہ داری آپ کی نہیں ہے کہ سب کے دلوں میں اپنی بات بٹھاکر ہی رہیں۔ یہ تو جو ڈرنے والے لوگ ہیں ان کی یاددہانی کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بطور اصل ہمارے سامنے رہنی چاہئے کہ ہم جو کام کریں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کریں اور دعوت و تبلیغ کا کام بھی اپنے ایک فرض کی ادائیگی اور انسانیت کے ساتھ اپنی ہمدردی کے جذبہ سے انجام دیں۔ اس میں انبیاء کرام کے اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الوسع لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آئیں۔ اس صورت میں آپ کی باتوں میں سوز و تاثیر پیدا ہوگی، اور اسی صورت میں آپ کی باتیں دوسروں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ آپ کا جذبہ وہ ہونا چاہئے جو ایک حدیث میں بیان ہوا ہے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام میں سے ایک نبی کا حال ان لفظوں میں بیان فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کو اتنا مارا کہ ان کے جسم سے خون ٹپکنے لگا لیکن اس حال میں بھی اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور ان کی زبان پر یہ تھا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

اگر اپنے کاموں پر اللہ کی رضا آپ کے پیشِ نظر ہوگی تو آپ بھی لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں، اتہام طرازیوں اور سب و شتم پر پوری طرح صبر کرسکیں گے۔ اور یہ سب کچھ نہ صرف یہ کہ آپ کو گوارا ہوگا بلکہ میٹھا معلوم ہوگا۔

آخری بات یہ ہے کہ آپ خلقِ حسن کو ہر حال میں اپنے لیے لازم سمجھیں۔ یہ ایک مسلم کا حقیقی شعار بھی ہے اور مخالفین کے مقابلے میں ایک بہت اچھی سپر بھی۔

قبولِ اسلام کے واقعات

اب میں کچھ باتیں ہندوستان میں ہریجنوں کے قبولِ اسلام کے سلسلے میں

بھی عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ اس سلسلہ میں بھی جماعت اسلامی پر بہت کچھ الزامات مختلف ملقوں کی طرف سے لگائے جارہے ہیں اس لیے اس کی کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے ۔

جو لوگ دنیا کے حالات سے باخبر ہیں ان پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ قبولِ اسلام کے واقعات کچھ ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں ۔ پوری دنیا میں اس کی ایک زبردست لہر اٹھتی ہوئی نظر آرہی ہے ۔ یہ درحقیقت نتیجہ ہے اس بات کا کہ انسان جس سکون کا طالب ہے وہ اسے ان نظریات وتحریکات سے حاصل نہیں ہورہا ہے جن کو اب تک دنیا میں فروغ حاصل رہا ہے اور نہ ان سے ان مسائل و مشکلات ہی کا کوئی معقول اور اطمینان بخش حل سامنے آسکا ہے جو دنیا کو در پیش ہیں ـــ اس لیے ایک نئے حل کی تلاش ایک قدرتی بات ہے ـــ اور یہ حل اسے اسلام اور اس کی تعلیمات ہی کے ذریعہ میسر آسکتا ہے ۔ یہی چیز پڑھے لکھے اور باشعور انسانوں میں تجسس کا داعیہ پیدا کرنے کی موجب ہورہی ہے اور اسی کے تحت بہت سے لوگ دنیا کے مختلف حصوں میں آئے دن مشرف بہ اسلام ہوتے رہتے ہیں اور یہ رَو ان شاء اللہ روز بروز بڑھتی ہی رہے گی ۔ کیونکہ اسلام اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس کا مستحق ہے ۔

ہندوستان دنیا کے خطوں سے کوئی الگ ملک نہیں ہے بلکہ اسے بہت سے دوسرے ملکوں پر اس لحاظ سے ایک خاص فوقیت حاصل ہے کہ یہ ہمیشہ روحانیت کا گہوارہ رہا ہے اور یہ اپنی ہوشیاری وزیرکی میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتا ہے ۔ اس لیے اگر یہاں بھی کچھ لوگ غور وفکر اور سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے دوسرے افکار و نظریات کے ساتھ اسلام کا بھی مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کے اندر اس کو قبول کرنے کا داعیہ پیدا ہورہا ہے تو یہ ہرگز کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے ۔

جہاں تک ہریجنوں کا تعلق ہے اگر ان کے اندر اس کا جذبہ دوسروں کے مقابلہ

ہیں کچھ زیادہ نمایاں ہے تو اس میں ان باتوں کے علاوہ بہت بڑا دخل یہاں کے مخصوص حالات کا بھی ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو کچھ خاص اسباب و وجوہ کے تحت صدیوں سے انسانی حقوق سے بھی بڑی حد تک محروم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تعلیم میں اضافہ اور شعور میں ارتقاء کے بعد اپنی اس حالت کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے، اور ہندوستانی معاشرہ میں اپنا ایک جائز مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان میں سے بہت سے لوگ اس غرض کے لیے اسلام کا دامن تھامنا چاہتے ہیں تو وہ اس پر کس طرح مطعون کیے جا سکتے ہیں؟

جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے، تو جو لوگ اس کی دعوت اور اس کی نوعیت سے واقف ہیں وہ اس سے بھی ضرور واقف ہوں گے کہ ہمیں اقلیت کے اکثریت ہونے یا اکثریت کے اقلیت میں تبدیل ہونے جیسے مسائل سے سرے سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے اور نہ اس کا ہماری دعوت سے کوئی واسطہ و تعلق ہے۔ ہم تو اپنے کو صرف اس کا مکلف سمجھتے ہیں کہ اللہ کا پیغام اس کے تمام بندوں تک حتی الوسع پہنچانے کی کوشش کریں اور اس کا نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اپنے اسی احساس ذمہ داری کے ساتھ ہم بلاشبہ دوسروں کے ساتھ ہریجنوں تک بھی یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم اپنے فرض میں یقیناً کوتاہی کے مرتکب ہوں گے اگر شور و شغب اور بے جا اتہامات سے متاثر ہو کر اپنا یہ فرض ان میں انجام نہ دیں۔ بلکہ ہم تو یہ بھی اپنا فرض اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ ان میں سے جو لوگ اسلام کو خوب سمجھ کر آگے بڑھیں ہم بھی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں۔ لیکن اسی کے ساتھ میں اپنے رفقاء سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کا ایک اور پہلو بھی ہے جو بہرحال ہمیں اپنے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا دم بھرنے لگے یا اس کا کلمہ پڑھ لے ہم اول لمحے میں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ بہرحال اس میں مخلص ہی ہے دل کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس نے ہمیں جو عقل دی ہے اس کا استعمال کر کے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کون لوگ اسلام کی حقانیت کو سمجھ کر اور اسے قبول کر کے آگے بڑھ رہے ہیں

اور کون لوگ ہیں جو محض ذاتی اور گروہی مفادات کے زیر اثر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں سے بہرحال چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایسے لوگ اگر مسلمانوں کی صف میں داخل ہوگئے تو بلاشبہ اس سے ان کی تعداد میں اضافہ تو ہوجائے گا لیکن یہ اضافہ ان کے لیے کسی درجہ میں مفید نہ ہوگا، بلکہ اس سے ان کے لیے طرح طرح کے مسائل اٹھ کھڑے ہوسکتے ہیں۔ اور ایسا اسلام خود ان کے لیے بھی کچھ مفید ثابت نہ ہوگا کیونکہ اللہ کے نزدیک وہی اسلام مقبول و معتبر ہوسکتا ہے جو بغیر کسی دنیاوی غرض کے محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو۔

قبولِ اسلام اور پٹرو ڈالر

ہریجنوں کے قبولِ اسلام کے سلسلہ میں پٹرو ڈالر کے استعمال کا بھی خاص طور سے بہت زیادہ چرچا ہورہا ہے اور اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کو خاص ہدف بنالیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ درحقیقت حقیقی صورتحال پر پردہ ڈالنے کی ایک بدنما تدبیر ہے۔ اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہات کو ان بنیادی خرابیوں کی طرف سے جو ہریجنوں کے قبول اسلام کی باعث بھی رہی ہیں، دوسری طرف موڑ دینا مقصود ہے — حالانکہ اصل ضرورت ان خرابیوں کی اصلاح ہی کی ہے جس کے بغیر اس کا تدارک مشکل ہے۔

جہاں تک پٹرو ڈالر کے ہندوستان میں درآمد ہونے کا سوال ہے تو فی نفسہ یہ بات تو قابل اعتراض نہیں ہوسکتی۔ یہ ڈالر ملک میں مختلف شکلوں میں آرہے ہیں اور بہت سے اچھے مقاصد میں استعمال ہورہے ہیں۔ عرب ممالک نے ہندوستان کی بہت سی ترقیاتی اسکیموں میں دل کھول کر حصہ لیا ہے اور جب بھی یہ ملک کسی بڑے ارضی وسماوی آفات کا شکار ہوتا ہے وہ آگے بڑھ کر اپنا تعاون پیش کرتے ہیں۔ یہ چیز تو قابلِ قدر ہونی چاہیے کہ یہ انسانیت کا عین تقاضا ہے۔ رہی یہ بات کہ عرب دولت غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں صرف ہورہی ہے تو تعجب ہے کہ حکومت کی واضح اور بار بار کی اس

تردید کے باوجود کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے، اسے بار بار دہرایا جاتا ہے!

دارالعلوم دیوبند کا مسئلہ

آخر میں میں قضیہ دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں بھی چند کلمات عرض کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس قضیہ میں بھی کچھ لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر جماعت اسلامی کو ہدفِ طعن وتشنیع بنائے ہوئے ہیں اور اس پر بے وجہ بے بنیاد الزامات لگا رہے ہیں۔ اس قضیہ کی ابتدا، تو شاید بہت پہلے سے ہو چکی تھی لیکن اخبارات وغیرہ میں اس کا ذکرِ خیر نمایاں طور سے غالباً دارالعلوم کے عظیم جشن صد سالہ کے بعد سے ہونے لگا ہے جس میں باہر کے بھی بہت سے علماء واکابر شریک ہوئے تھے۔ اس درمیان میں کیا کچھ ہوتا رہا ہے اس سے میری واقفیت تو بس اخباروں کی خبروں تک ہی محدود رہی ہے، کیونکہ میں ایسی جگہ رہتا تھا جہاں اس کی اطلاعات بہت کم ہی پہنچتی تھیں۔ مجھے اس وقت بھی اس کے متعلق جو حالات معلوم ہوئے تھے ان سے مجھے دکھ ہی ہوا تھا، اور اس دوران میں جماعت کے متوسلین میں سے جس سے بھی مجھے واسطہ پیش آیا میں نے محسوس کیا کہ ان سب کو اس پر رنج ہے اور یہاں آنے کے بعد بھی میں نے اپنے رفقاء میں عام طور سے یہی کیفیت محسوس کی۔ واقعی اس سے زیادہ دکھ کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند جیسا عظیم ادارہ جو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سرمایۂ فخر ہے اور جس کو باہر کی دنیا میں بجا طور سے "ازہرِ ثانی" کہا جاتا ہے، وہاں وہ سب کچھ ہونے لگے جو ہو رہا ہے۔ کسی ادارہ میں اختلافات کا پیدا ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ اختلافات آپس میں بیٹھ کر طے کر لیے جاتے انھیں گلی کوچوں میں پہنچا دیا گیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس میں بڑے بڑے لوگوں کی بھی عزت ایک دوسرے کے ہاتھوں مجروح ہو رہی ہے۔ اس سے بڑا سانحہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس سے صرف ان ہی حضرات کا وقار مجروح نہیں ہو رہا ہے بلکہ درحقیقت اس کے ساتھ تمام علماءِ دین

بلکہ نفسِ دین کا وقار بھی مجروح ہو رہا ہے، اس لیے اس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ ہم میں سے کوئی بدبخت ایسا بھی ہو جو اس فتنہ کو ہوا دینا چاہے اور اس کو تقویت پہنچائے۔ ہماری دعا تو یہی ہے کہ یہ فتنہ جلد ختم ہو۔ بلاشبہ امت کی بہتری اسی میں ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے کو اس موقف میں نہیں پاتے کہ ہم اس کو طے کرانے کے سلسلہ میں کوئی مثبت قدم اٹھا سکیں کیونکہ یہ اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں خدا نخواستہ کچھ حضرات کی بدگمانیوں کی وجہ سے ہماری کسی ایسی مخلصانہ کوشش کے نتیجہ میں فائدہ کے بجائے کچھ نقصان ہی نہ پہنچ جائے۔

بہرحال میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی اس کے رفع ہونے کے لیے دعا کریں۔ اس فتنہ سے یوں تو آپ دور ہی ہیں لیکن پھر بھی اس بات کا اور زیادہ اہتمام کریں تاکہ لوگوں کو بلاوجہ آپ کی طرف سے کسی طرح کی بدگمانی کا موقع نہ مل جائے۔

ابھی حال میں مجھے ایک مخصوص رجحان کے حامل ایک ہفتہ وار میں ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں "دو ملّاؤں میں مرغی حرام" کے زیرِ عنوان اس قضیہ کے دونوں فریقوں کے بیانات جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے اس کا جو بھی مقصد ہو وہ جانے، لیکن اس مضمون میں اس نے جماعت اسلامی کے سلسلہ میں بھی بعض ذمہ دار اصحاب کے کچھ اقوال نقل کیے ہیں جن کو پڑھ کر مجھے نہایت افسوس ہو رہا ہے۔ لیکن میں اسے چنداں قابلِ تعجب نہیں سمجھتا۔ جب اس قضیہ میں بڑے بڑے لوگوں کی عزت محفوظ نہیں رہ گئی ہے اور فریقین کی طرف سے ایک دوسرے پر ایسے ایسے الزامات لگائے جا رہے ہیں جن کا بیشتر حصّہ بادی النظر میں غلط ہی معلوم ہوتا ہے تو ان کی طرف سے اتہامات اور الزامات کا کچھ تحفہ جماعت کو بھی مل رہا ہو تو اس پر کیوں تعجب کیا جائے۔ بہرحال اس سلسلہ میں میری آپ حضرات سے یہی درخواست ہے کہ اس پر بھی صبر کریں، اور برابر دعا کرتے رہیں کہ یہ فتنہ جلد سے جلد رفع ہو تاکہ ملت، علماء، اور دین کا وقار دوبارہ بحال ہو سکے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔